شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ کے چند تفردات

(ماخوذ از تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ)

محمد بلال بربری

ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی

ABSTRACT:

Sir Iqbal (1877-1938), a renowned religious scholar of sub-continent and an eminent philosopher, in the preface of his famous addresses The Reconstruction of Religious given at some educational congregations, Thoughts in Islam says, Our duty is carefully to watch the progress of human thought, and to maintain an independent critical attitude This is the main stream of the thoughts and towards it. opinions given by Iqbal in his poetic verses and also in the aforementioned lectures. When the knowledge of a person expands his way of thinking also being changed and gradually he begins thinking above the thoughts of general people. Though it might drive him away from their path but he chooses his own path to walk according to what his vision reveals to him. That is what happened with those intellectuals who parted their ways from the others about inherited thoughts and opinions. Same is the case with Iqbal that, out of his acumen, he presented his opinions and suggestions about several religious issues and made

himself controversial among the orthodox clergymen. In this article, the author has chosen some of his criticized views without detailed interpretations on them so that the readers would have come to know about his way of free-thinking without limits.

موضوعات بحث

۱۔ اقبالؒ، مسلم مفکر، مسلم فلسفی، مسلم شاعر

۲۔ خطبات اقبالؒ کا تعارف: الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید کی رہنما ہائی کل

۳۔ اقبالؒ کی متنازعہ آراء کے متعلق قابل قبول رویہ

۴۔ اقبالؒ پر ہونے والی عمومی تنقیدات کی اقسام

۵۔ اقبالؒ کے چند تفردات

۱۔ اقبالؒ، مسلم مفکر، مسلم فلسفی، مسلم شاعر

انیسویں صدی کے بعد فن فلسفہ کی اسلامی و مشرقی تاریخ پر جب بھی بحث کی جائے گی یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی طور پر شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال مرحوم (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) کے تذکرے سے یہ بحث خالی ہو اور اس کے باوجود اس بحث کو مکمل سمجھا جائے۔ کانٹ، برگساں، نطشے، شوپن ہار، وائٹ ہیڈ، جیمس وارڈ، ولیم جیمس، وغیرہ کی ایک مغربی مفکرین، نیز رومی، سعدی، اور شنکر اچاریہ وغیرہ کی مانند مشرقی مفکرین کے فلسفیانہ نظریات اور ان کی عقلی پرواز کے بیان کے پہلو بہ پہلو علامہ اقبال مرحوم کی عقابی اور متحیر خیز نگاہ بصیرت سے حاصل کردہ آراء کا تجزیہ علم فلسفہ کے بنیادی مسائل پر بحث کرنے والے ہر طالب علم کے لیے درجہ وجوب کی حیثیت رکھتا ہے(۱)۔ جس طرح علامہ مرحوم کا فن فلسفہ میں اختصاص معروف ہے، اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ علامہ کا تعارف نمایاں طور پر ایک شاعر کی حیثیت سے بھی زبان زد عام و خاص ہے۔ آپؒ کے اشعار نے آپ کو "مشرق کا شاعر"، اور آپؒ کے کلام کے مختلف مجموعوں نے آپ کو دنیائے شعر کی ایک زندہ جاوید شخصیت بنادیا ہے۔

آپؒ کی دس سے زائد مستقل نظمی و نثری تصانیف، مکاتیب بنام محمد علی جناح، خطبات، اور مختلف مضامین بزبان اردو و انگریزی(۲) کو کہ فن فلسفہ، شعر گوئی، اور اسلامی فکر سہ جہتی اعتبار سے آپؒ کی مجموعی سوچ کا زاویہ واضح کرتی ہیں، لیکن ان تمام نہ علمی کاوشوں میں سے آپؒ کی اسلامی فکر کے خصوصی اور امتیازی عناوین کی توضیح، مغرب کی فکری یلغار کے بعد اسلام کو درپیش چیلنجز کے متعلق آپؒ کے موقف، مابعد الطبیعیات کے اہم ترین گوشوں پر بحث، اور امت مسلمہ کے طبقہ اہل علم کی بیداری کیلئے سب سے نمایاں اور شہرت یافتہ کاوش آپؒ کے مشہور خطبات بنام "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" ہیں۔ ان خطبات میں آپؒ کی فکر کے وہ

کو شے مکمل کر سامنے آتے ہیں جن کے بارے میں آپؒ اہل علم کے طبقے کو بیدار کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہی خطبات میں الٰہیات اسلامیہ (یعنی مابعد الطبیعیات کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر) کے متعلق آپ کی وہ آراء بھی جو اشعار کی صورت میں منتشر اور پیچیدہ صورت میں تھیں، یکجا اور واضح طور پر سامنے آ گئی ہیں جن میں آپؒ نے متوارث اجماعی موقف سے ہٹ کر کچھ آراء قائم کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیر نظر تحریر میں علامہؒ کے تفردات کا انتخاب انہی خطبات سے کیا گیا ہے۔

۲۔ خطبات اقبالؒ کا تعارف : الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید کی رہنما بائبل

مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت میں کئی ایک نامور اور ممتاز شخصیات کا تذکرہ کیا ہے، جنہوں نے اپنے اپنے ادوار میں بے نظیر دعوت اسلام میں عزیمت کے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں میرے خیال میں علامہ اقبالؒ مرحوم کا بھی ان اصحاب دعوت کی فہرست میں اضافہ کیا جائے تو یہ بے جا نہیں ہوگا مولانا ابو الحسن علی ندویؒ نے اقبالؒ کی آراء سے اپنے اختلاف رائے کو ظاہر کرتے ہوئے اور ان کے افکار کو اہل السنۃ والجماعۃ کے اعتقادات سے متصادم قرار دینے کے باوجود اپنی ایک کتاب بزبان عربی "روائع اقبال" (۳) میں اقبالؒ کی عبقریت کو بہر حال سراہا ہے۔ لیکن انہیں خامیوں سے مبرا قرار دینا، جیسا کہ عقیدت پسند مبالغہ آمیزی میں ہمیشہ حدود سے گزر جاتے ہیں مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کو قبول نہیں۔

ان خطبات کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ سب سے اول اقبالؒ نے 'اجتہاد' کے موضوع پر ایک مضمون تحریر کیا تھا، جو ۱۳ دسمبر ۱۹۲۴ء کو لاہور کے ایک مشہور کالج میں پڑھا گیا۔ اس خطبے کی خوب شہرت ہوئی اور اس پر ایک علم دوست تاجر سیٹھ جمال احمد نے علامہ کو مدراس میں اسلام کے اہم موضوعات پر خطبات ارشاد فرمانے کی دعوت دی۔ یوں علامہؒ نے مدراس حیدر آباد اور دکن میں کل چھ خطبات ارشاد فرمائے جن کا مجموعہ کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس کی اشاعت کے کچھ عرصے بعد، دوسری گول میز کانفرنس، جو لندن میں منعقد ہوئی، میں "کیا مذہب کا امکان ہے؟" کے موضوع پر ایک اقبال مرحوم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کو انہی خطبات میں شامل کر لیا گیا۔ الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید کے متعلق رہنمائی کے باعث ان خطبات کے لیے "رہنما بائبل" کا عنوان بہت ہی مناسب ہے۔

میرے خیال میں ان خطبات میں اقبالؒ کے اختیار کردہ رویہ بحث سے دو بنیادی اصول واضح ہوتے ہیں جن کا تذکرہ اقبالؒ نے ان خطبات پر اپنے دیباچے میں کیا ہے:

۱۔ مادے کا قدیم تصور اضمحلال کی جانب ہے، اور آئندہ زمانہ سائنس و مذہب کے درمیان ہم آہنگی کا ہے۔

۲۔ ہمارا فرض ہے کہ فکر انسانی کے ارتقا کو مد نظر رکھتے ہوئے مشرقی و مغربی فلسفے کے قدیم تصورات کا آزادی کے ساتھ بے لاگ جائزہ لیں۔ (۴)

چونکہ اقبالؒ کے خطبات میں یہ دوسرا اصل جا بجا نمایاں نظر آتا ہے، لہٰذا ان خطبات کی اشاعت کے بعد اہل علم نے اقبالؒ کے ان جدید تصورات کی مخالفت کی جو امت کے اجماعی اعتقادات سے سراسر متصادم تھے، اور اس تردید کی صدائے بازگشت برصغیر کی کئی نامور شخصیات سمیت مصر، سعودی عرب، سوڈان وغیرہ کئی ملکوں میں سنائی دی جانے لگی۔ لیکن جہاں اقبالؒ کو اپنے مخالفین

کا سامنا تھا وہیں اقبالؒ کے موافقین کی بھی کمی نہیں تھی جنہوں نے کئی ایک مقامات پر اقبالؒ کی آراء کو سراہتے ہوئے بحث ومباحثہ کے ذریعے تصورات اقبالؒ کو ترقی دینے کی خواہش ظاہر کی۔(۵) خود اقبالؒ نے خطبات کے دیباچہ میں اپنی آراء کے تجزیے کی بھی کھلی دعوت ہے۔(۶)

شاہ ولی اللہؒ اور علامہ اقبالؒ کی کوششوں کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا زاہد الراشدی (رئیس التحریر ماہنامہ الشریعہ) نے اقبال مرحوم کے ان خطبات کی اہمیت مختصر اور جامع انداز میں واضح کی ہے۔اس تبصرے کے بعد خطبات کے تعارف کیلئے اس مختصر تحریر میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی:

> ''شاہ ولی اللہؒ کو اپنے دور میں فقہی جمود کا سامنا تھا اور اس جمود کو توڑنے کے لیے انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ کرنے کی دعوت دی، بلکہ قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ کی تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور فقہ میں انہوں نے فقہ حنفی کے اصولی دائرے کو قائم رکھتے ہوئے توسع اور اجتہاد کو فروغ دینے کی بات کی۔علامہ اقبالؒ کو بھی اسی قسم کے فقہی جمود سے سابقہ تھا،انہوں نے اپنے طور پر اس کا حل یہ نکالا کہ مسلمان "اجتہادِ مطلق" کی طرف واپس لوٹ جائیں،چنانچہ "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے عنوان سے اپنے خطابات میں انہوں نے اہل علم ودانش کو اسی بات کی دعوت دی ہے۔علامہ اقبالؒ کے یہ خطبات دینی حلقوں میں ایک عرصہ سے زیر بحث ہیں،ان کے بارے میں بہت سے تحفظات کا اظہار کیا جاتا ہے اور خود میرے بھی بعض تحفظات ہیں لیکن میرے خیال میں اسے اس نقطہ نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ علامہ اقبالؒ نے یہ خطبات بحث ومباحثہ کے ایجنڈے کے طور پر پیش کیے تھے جن پر علمی وتحقیقی کام نہیں ہو سکا''(۷)

۳۔ اقبالؒ کی متنازعہ آراء کے متعلق قابل قبول رویہ

اقبال مرحوم کی ان خطبات "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" میں پیش کردہ آراء سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ کیا جائے لیکن اتنی بات تو ان خطبات میں غور وفکر سے واضح ہو جاتی ہے کہ اقبالؒ مسلم امت کے لیے اپنے سینے میں ایک دردمند دل رکھتے تھے، اسلام ومسلمانوں کی ترقی کے خواہاں تھے،وہ جدید مغربی فلسفہ کو سمجھ بوجھ کر اس کا ناقدانہ اسلامی تجزیہ کرنے کے لیے مسلمانوں کے دورِ جمود میں غزالیؒ اور رازیؒ کی تلاش میں تھے،مغربی فکر کی کوتاہیوں اور خامیوں پر اچھی طرح مطلع تھے، اور سب سے بڑھ کر دین اسلام کے بھرپور داعی تھے۔لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید کے متعلق رہنمائی کے بارے میں خشتِ اول ہونے کی بنا پر یہ خطبات ایک رہنما بائبل کی مانند ہیں۔

علامہ کی آراء سے اختلاف ضرور کیا جا سکتا ہے،اس لیے کہ ایک سنجیدہ علمی ماحول میں تعصب اور عناد سے گریز کرتے ہوئے اختلاف کی نہ صرف گنجائش بلکہ اختلاف ہی تحقیق کے بند دروازے کھولنے میں مدد ومعاون ہوتا ہے۔لیکن اس اختلاف میں اقبال مرحوم کی ذات اور شخصیت کو ہدفِ تنقید بنانا،اور نیتوں پر شک کرنا جیسا کہ پاک وہند میں عام طور پر ہونے والی تنقیدات میں

نقاد کا طرزِ عمل انتہائی منفی ہوا کرتا ہے، علم و تحقیق کے میدان میں کوئی اجتہاد او ثمر نہیں کیا جاتا۔ لیکن بعض اہلِ علم کی اس زیادتی کے ساتھ ایک کوتاہی ان حضرات کی بھی ہے کہ جو روایتی اساسیات کی علمی بنیادوں کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے، محض میدانِ تحقیق کا "شہسوار" قرار دیے جانے کے لیے روایت سے بہر صورت اختلاف کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں، اور روایت کی اسارت کی تہمت سے خلاصی کے لیے یہ خیال کرتے ہیں کہ روایت سے اختلاف کی چادر اوڑھنا ضروری ہے۔ درمیانی راہ یہ ہے کہ روایت کی علمی بنیادوں پر تحقیق کی جائے، اور ساتھ ہی متقدمین علما کے علمی مقام کا خیال بھی رہے، اور جہاں کہیں ان سے اختلاف کی ٹھوس بنیاد ملے، صرف وہیں ان سے اختلاف کیا جائے، نہ یہ کہ جہاں ان سے اختلاف کی کوئی بنیاد، بلکہ گنجائش ہی نہ ہو، وہاں بھی نری تشکیک ضرور پیدا کی جائے کہ "ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی ان سے غلطی ہی ہوئی ہے" شریعت اور اخلاقی اقدار کا یہی تقاضہ ہے۔

۴۔ اقبالؒ پر ہونے والی عمومی تنقیدات کی اقسام

اقبالؒ کی اختیار کردہ تفرداتی آرا پر نقادوں نے مختلف زاویوں سے اپنی اپنی تنقیدات پیش کی ہیں، قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی مرحوم نے اقبالؒ پر ہونے والی تنقیدات کو مندرجہ ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ ادبی اور فنی اعتراضات جو عموماً ان کی شاعری کے سلسلے میں کیے گئے ہیں۔

۲۔ ان کے فلسفے اور تصوف پر تنقیدیں اور اعتراضات خصوصاً مسئلہ اسرارِ خودی میں۔

۳۔ سیاسی و وطنی خیالات پر اعتراضات۔

۴۔ مذہبی اور قومی تعصب کی بنا پر نکتہ چینی۔(۸)

چونکہ اس تحریر میں اقبالؒ کے تفردات کا انتخاب خطباتِ اقبال سے کیا گیا ہے، اور خطبات میں ان کی الہیاتِ اسلامیہ ان کا موضوع تھا لہٰذا یہاں یہ تفردات مذہبی نوعیت کے ہیں یعنی مذہب کی چند مسلمہ روایتی آراء سے اقبالؒ کا اختلاف۔

۵۔ اقبالؒ کے چند تفردات

راقم کے منتخب کردہ اقبالؒ کے تفردات نمبروار درج ذیل ہیں جن پر مختصر تبصرہ ساتھ ہی ذکر کیا جائے گا، اس لیے کہ یہ مختصر تحریر ان آراء کے تفصیلی تجزیے کی متحمل نہیں۔

۱۔ قوتِ وجدان کے لیے علامہؒ کا استدلال: اقبالؒ سورۃ السجدۃ کی آیت نمبر، کے حوالے سے دل، قلب یا فؤاد کو ایک طرح کا وجدان قرار دیتے ہیں، خطبہ اول میں ارشاد فرماتے ہیں

> "قلب کو ایک طرح کا وجدان یا اندرونی بصیرت کہیے، جس کی پرورش مولانا روم کے دلکش الفاظ میں نورِ آفتاب سے ہوتی ہے، اور جس کی بدولت ہم حقیقت مطلقہ کے پہلوؤں سے اتصال پیدا کر لیتے ہیں جو ادراکِ بالحواس سے ماوراء ہیں"(۹)

اقبالؒ مرحوم کے فرزند مکرم ڈاکٹر اقبالؒ اقبال کی اس رائے پر ناقدین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ڈاکٹر فاروقی کا اعتراض ہے کہ اگرچہ یہ لفظ قرآن کریم مجید میں کئی ایک مقامات پر استعمال ہوا ہے قرآن مجید میں سے ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں

کی جا سکتی جہاں یہ لحظہ ایک ایسی استعداد کی حیثیت سے آیا ہو جو حقیقت حقہ کے علم کے ذریعے کی حیثیت سے عالمانہ وظیفہ ادا کرتی ہو"۔(۱۰) الطاف احمد اعظمیؒ تو علامہؒ کے مطالعہ قرآن ہی کو کمزور بنیادوں پر استوار بتلاتے ہیں: علامہ کا مطالعہ قرآن زیادہ عمیق نہیں تھا۔۔۔انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرتے وقت ان کے سیاق و سباق کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے"۔(۱۱)

۲۔ انسان از خود تقدیر ساز اور خدا کا ہم کار: سورہ انشقاق کی آیت ۱۹ سے اقبالؒ درج ذیل نتیجہ اخذ کرتے ہیں

"انسان ہی کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے کہ اس عالم کی گہری سے گہری آرزوؤں میں شریک ہو جو اس کے گرد و پیش موجود ہے اور اپنی، علیٰ ہذا کائنات کی تقدیر کو متشکل کرے۔ کبھی قوتوں سے توافق پیدا کرتے ہوئے اور کبھی پوری طاقت سے کام لیتے ہوئے اپنی غرض و غایت کے مطابق ڈھال کر اس لحظہ بہ لحظہ پیش رس اور تغیر زا رعمل میں خدا بھی اس کا ساتھ دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پہل انسان کی طرف سے ہو"(۱۲)

الطاف احمد اعظمیؒ اس استدلال پر لکھتے ہیں:

اللہ کی جانب سے شوخی اظہار کے بعد کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی دلیل بھی قرآن مجید سے ڈھونڈ لائے۔۔۔۔ یہ تو بدترین قسم کی تحریف معنوی ہے"(۱۳)

۳۔ انبیاء پر اترنے والی وحی الٰہی اور اولیاء کے واردات کی یک نوعیتی

"اقبالؒ نے اپنا یہ موقف صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا، البتہ انہوں نے وجدان کے متعلق بات کرتے ہوئے آپ ﷺ کی جانب سے ابن صیاد کے واردات اور وجدانیات کی تفتیش کا جو قصہ پیش کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ آپ ﷺ کے واردات اور ابن صیاد کے واردات کو ایک خانے میں رکھتے ہیں، نقادوں کی ایک جماعت نے اقبالؒ کی عبارت (۱۴) سے یہی مفہوم اخذ کیا ہے اور اس رائے پر تنقید کی ہے، اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید اقبال نے اقبال کی طویل عبارت کا جو خلاصہ پیش کیا ہے، ذیل میں اس پر اکتفا کیا جاتا ہے:

"اقبال کی نگاہ میں دل ایک طرح کا وجدان یا بصیرت ہے، اور بقول قرآن وہ دیکھ سکتا ہے اور اس کی بہم کردہ علومات، اگر ان کا صحیح تجزیہ کیا جائے تو کبھی غلط نہیں ہوتیں، اسے نفسیاتی، صوفیانہ یا فوق الفطرت قرار دیئے سے دیگر تجربوں کے مقابلے میں اس کی اہمیت کم نہیں ہوتی، دنیا کا الہامی اور متصوفانہ لٹریچر اس حقیقت کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ مختلف انسانی تہذیبوں میں اس نوع کا مذہبی مشاہدہ ہمیشہ کس قدر مقبول رہا ہے، پس اسے واہمہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ وہ پہلی شخصیت تھے جنہوں نے یہودی لڑکے ابن صیاد کے سایکک مظاہروں کو تنقیدی نظر سے دیکھا اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ اس کا قیافہ کس حد تک صحیح ہے اور کس حد تک غلط نتائج فراہم کرتا ہے"(۱۵)

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اس پر لکھتے ہیں کہ: اقبالؒ نے اس فرق کو واضح نہیں کیا جو خدا کی ہستی کے پیغمبرانہ وجدان اور اس

قسم کے وجدان میں جو ان سیاؤ کو حاصل تھا۔ "مزید یہ کہ ڈاکٹر فاروقی کے خیال میں مذہبی تجربے کا جو تصور اقبال پیش کرتے ہیں اس میں صوفیانہ کشف اور پیغمبرانہ وحی میں امتیاز کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، بلکہ دونوں کیفیتوں میں یہ مشاہدہ کی تعبیر ہی ہوگی۔(۱۶)

۴۔ تقدیر مستقبل میں منکشف ہونے والا زمانہ: اقبال مرحوم کے الفاظ یہ ہیں: ''دراصل تقدیر عبارت ہے اس زمانے سے جس کے امکانات کا انکشاف ابھی باقی ہے، یہ گویا وہ زمانہ ہے جو علت و معلول کی ترتیب سے آزاد ہے۔''(۱۷)

گویا اقبال کے ہاں تقدیر کے تمام ممکنات علی الاطلاق غیر متشخص ہیں، جب کہ ایسا نہیں، بلکہ تقدیر کے تمام ممکنات باری عزاسمہ کے ہمہ گیر علم میں متعین، اور متشخص ہیں، اور اپنے اپنے وقت پر یہ ممکنات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے کہ خدا کی نظر میں تمام ممکنات اور موجودات یکساں ہیں۔ یہ تصور اقبال کے ایک اور مقدمے یعنی انسان از خود تقدیر ساز ہے، ہی کا حاصل اور نتیجہ ہے۔ اس اعتراض کو کامل طور پر تسلیم کرتے ہوئے، ڈاکٹر جاوید اقبال نے دفاعی رویہ اپنایا اور اس کے جواب میں جبریہ، قدریہ کے اختلاف کا حوالہ قرار دے کر لکھا: ''تقدیر کے مسئلے پر اقبال کا نظری زاویہ نگاہ قدیم علم کلام کے دیگر مدرسہ ہائے فکر کی نسبت قدریہ کے قریب ہے۔''(۱۸) بہر حال اقبال کے اس تفرد کو جناب جاوید اقبال نے کھلے دل سے تسلیم کیا ہے کہ علامہ کا تصور تقدیر قدریہ کے بھی بالکل موافق نہیں، بلکہ ان کے مسلک کے قریب قریب ہے۔

۵۔ کائنات کی کوئی متعین غایت نہیں: اقبال کہتے ہیں

> ''ہم زمانے کی حرکت کا تصور ایک پہلے سے کھنچے ہوئے خط کی صورت میں نہیں کریں گے، کیونکہ یہ خط ابھی کھنچ رہا ہے، اور اس سے مطلب ہے وہ امکانات جو ہو سکتا ہے وقوع میں آئیں اور ہو سکتا ہے نہ آئیں۔'' قرآن کریم نے واضح طور انسان کے مقصد تخلیق کے حوالے سے کائنات کی غایت متعین کر رکھی ہے، روز قیامت کا قیام اور اچھے برے کی جزا و سزا''

اسی بنا پر الطاف اعظمی اس موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اقبال کا یہ خیال کہ کائنات کی پہلے سے کوئی متعین منزل یا غایت نہیں، درست معلوم نہیں ہوتا، وہ برگساں کے نظریٔ زمان سے بری طرح متاثر ہیں، ان کے لیے یہ مشکل آن پڑی کہ اگر وہ کائنات میں مقصدیت کے تصور سے دست بردار ہوں تو ان کا اسلامی تصور حیات مجروح ہوتا ہے، اور اگر اس کا اثبات کریں تو زمان خالص کا تصور داغدار ہوتا ہے۔ اس لیے انہوں نے مقصدیت کی ایک عجیب و غریب توجیہ کی جو نا قابل فہم ہے۔''(۱۹)

۶۔ ''انا''، ''خودی مطلق''، ''خدا ارتقا پذیر'': خدا تعالیٰ کی تعبیر اقبال خودی مطلق، انائے مطلق سے کرتے ہیں، اس خودی مطلق کو زمان مسلسل سے جوڑ کر اقبال خودی مطلق کو بھی خودی محدود کی مانند ارتقا پذیر قرار دیتے ہیں 'انا' کی زندگی اگر ایک طرف دیمومت کی زندگی ہے یعنی تغیر بے تواتر کی، تو دوسری جانب زمان مسلسل کی، ان معنوں میں کہ وہ ایک پیمانہ ہے تغیر بے تواتر کا، اور اس سے نامی طور پر وابستہ ہیں"(۲۰) اس پیچیدہ عبارت کی تسہیل میں ڈاکٹر جاوید اقبال رقم طراز ہیں "خودی مطلق کی حیات میں زماں ایک بے تواتر تغیر ہے۔ لیکن میر داماد اور ملا باقر کا دعویٰ ہے کہ زماں خدا کے عمل تخلیق کے ساتھ ہی وجود میں آتا ہے اور اسی سے خدا اپنے غیر متعین لاتعداد تخلیقی امکانات کو جانتا

ہے۔ پس اس اعتبار سے خودی مطلق بیک وقت لا بہت یعنی بے جا تغیر اور زمان مسلسل میں ہے۔ اقبالؒ کی نظر میں قرآن مجید کی آیت "دن اور رات کا آنا جانا اسی کے باعث ہے (سورۃ المؤمنون: ۸۰) سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ (۲۱) علی عباس جلالپوری اقبال کی اس رائے کے متعلق کہتے ہیں کہ اقبالؒ کا خدا تغیر کے عمل سے علیحدہ رہ کر کسی قسم کی تخلیق نہیں کر سکتا۔ اگر خدا کائنات کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ارتقاء کی منزل طے کر رہا ہے تو ظاہر ہے دونوں ناکمل حالت میں ہیں اور بقول رسل ایسی صورت میں جب ارتقاء کا عمل مکمل ہوگا تو خدا اور کائنات دونوں کا خاتمہ ہو جائے گا، لیکن اگر ارتقاء کا عمل لامتناہی ہے تو کائنات کی طرح خدا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکمل رہے گا۔ (۲۲)

۷۔ حیات بعد الموت مطلق یا مشروط: اس کے متعلق اقبالؒ کا خیال نہایت دلچسپ ہے، اور عقائد کی خطرناک حدوں کو چھونے کی وجہ اس خیال کی بھرپور تنقید کی گئی ہے۔ پہلے اقبالؒ کی عبارت ملاحظہ کیجیے:

"زندگی وہ فرصت ہے جس میں خودی کو عمل کے لاانتہا مواقع میسر آتے ہیں اور جس میں موت اس کا پہلا امتحان ہے، تاکہ وہ دیکھ سکے اسے اپنے اعمال و افعال کی شیرازہ بندی میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔ اعمال کا نتیجہ نہ تو لطف ہے نہ درد، اعمال یا تو خودی کو سہارا دیتے ہیں یا اس کی ہلاکت اور تباہی کا سامان پیدا کرتے ہیں، لہٰذا یہ امر کہ خودی فنا ہو جائے گی یا اس کا کوئی مستقبل ہے، عمل پر موقوف ہے۔ اور اس لیے خودی کو برقرار رکھیں گے تو وہی اعمال جن کی بنا اس اصول پر ہے کہ ہم بلا امتیاز من و تو خودی کا احترام کریں۔ لہٰذا بقائے دوام انسان کا حق نہیں، اس کے حصول کا دار و مدار ہماری مسلسل جد و جہد پر ہے۔ بالفاظ دیگر ہم اس کے امیدوار ہیں۔ مادیت حاضرہ کی سب سے زیادہ یاس انگیز غلطی یہ ہے کہ اس کے نزدیک ہمارا متناہی شعور اپنے موضوع کا تمام و کمال احاطہ کر لیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ خودی نے اپنے عمل اور سعی کی بدولت اگر اسی زندگی میں استحکام پیدا کر لیا ہے کہ موت کے صدمے سے محفوظ رہے تو اس صورت میں موت کو بھی ایک راستہ ہی تصور کیا جائے گا۔ وہ راستہ جسے قرآن پاک نے برزخ کہا ہے۔" (۲۳)

ظاہری بات ہے کہ یہ برزخ کی انتہائی انوکھی اور الجھیلی تشریح ہے، اور اس پر اہل علم کا ردعمل کسی قدر شدید بھی ہوا۔ بطور نمونہ جناب علی عباس جلال پوری کی تحریر بغیر کسی اضافے کے پیش خدمت ہے:

"جنت و دوزخ کے تصورات حیات بعد ممات کے عقیدے سے وابستہ ہیں۔ اس لیے جن لوگوں نے بعث بعد موت کا انکار کیا ہے انہوں نے نعیم جنت اور عذاب دوزخ سے بھی انکار کیا ہے اور انہیں محض نفسی کیفیات قرار دیا ہے۔ اقبالؒ بھی اخوان الصفا اور دوسرے باطنیوں کی طرح جنت اور دوزخ کو نفسیاتی کیفیات سے تعبیر کرتے ہیں۔۔۔ گویا موت کے بعد جس جزا و سزا کا ذکر بار بار قرآن میں آتا ہے وہ محض قبض و بسط کی نفسی کیفیات ہیں جو انسان کو اسی دنیا میں درپیش ہوں گی۔ پہلے فرمایا تھا کہ جن لوگوں کی

خودی کمزور ہوگی وہ موت کے بعد زندہ نہ ہوسکیں گے، بعث بعد الموت کا عمل خارجی نہیں ہوگا، بلکہ خودی کے اپنے اندر ہی حیاتیاتی عمل کی تکمیل ہوگی۔ اب ارشاد ہوتا ہے کہ عذاب دوزخ محض ایک تادیب کا عمل ہے، جس سے وہ خودی جو پتھر کی طرح سخت ہوگئی ہے پھر ملائم ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ قرآن کے مطالب کو اپنے مخصوص نظریہ خودی پر ڈھال لینے کی کوشش کرتے ہیں۔"(۴۴)

۸۔ جنت اور دوزخ احوال یا مقامات: اقبالؒ فرماتے ہیں: "قرآن مجید کی تعلیمات اس باب میں بہر حال یہ ہیں کہ بعث بعد الموت پر انسان کی بصارت تیز ہو جائے گی، (۵۰: ۲۱)، وہ اپنی گردن میں خود اپنی تیار کردہ قسمت کا حال آویزاں پائے گا، جنت اور دوزخ اس کے احوال ہیں، مقامات یعنی کسی جگہ کا نام نہیں ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ان کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ ایک داخلی حقیقت یعنی انسان کے اندرونی احوال کا نقشہ اس کے سامنے پھر جائے۔"(۴۵)

محمد سہیل عمر، ترجمے کی نارسائی کا نام دے کر اقبالؒ کا دفاع کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اقبالؒ نے یہاں انگریزی لفظ States استعمال کیا ہے، جس کا ترجمہ بجائے احوال کے سیاق وسباق عبارت کی رو سے مراتب (وجود) کے ہونا چاہیے یعنی وہ اس دنیا میں ہمارے زمان ومکان کے تصور کے مطابق "جگہیں" نہیں بلکہ مختلف مرتبہ وجود کے حقائق ہیں۔(۴۶) مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے اس کا جواب یوں دینے کی کوشش کی ہے کہ درحقیقت علامہ کا مقصد یہ کہنا نہیں کہ جنت وجہنم احوال ہی ہیں، مکان نہیں، بلکہ علامہ کو یہاں لفظ "Only" بڑھا کر یہ وضاحت کر دینی چاہیے تھی کہ جنت وجہنم صرف مقامات نہیں بلکہ احوال بھی ہیں۔ (۴۷) گویا کہ خود مولانا سعید اکبرآبادی کا موقف یہاں واضح ہوگیا کہ اگر اقبالؒ نے جنت وجہنم کو صرف احوال کا نام دیا ہے، تو وہ درست نہیں۔

حواشی:

۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اقبال اور مشرق ومغرب کے مفکرین، مولانا انور، ڈاکٹر عشرت حسین، بزم اقبال کلب لاہور۔
۲۔ جمال گرمی، قاضی احمد میاں اختر، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، ط: اقبال اکیڈمی لاہور، ص: ۱۲، ۱۴
۳۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ "نقوش اقبال" کے نام سے مجلس نشریات اسلام کی طرف سے طبع ہوکر علمی حلقوں میں مقبول ہے۔
۴۔ دیباچہ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ترجمہ The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، ص: ۳۹
۵۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل وتفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص: ۸، ۹، ۱۰
۶۔ دیباچہ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ترجمہ The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، ص: ۳۹
۷۔ الراشدی، علامہ ابو عمار زاہد، مضمون علم الکلام اور اس کے جدید مباحث، مشمولہ ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، جلد ۲۴، شمارہ ۳، مارچ ۲۰۱۳ء، ص: ۲، ۷
۸۔ جمال گرمی، قاضی احمد میاں اختر، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، ط: اقبال اکیڈمی لاہور، ص: ۱۵۱

۹۔ خطبہ اول، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ترجمہ The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، ص : ۵۳

۱۰۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص : ۳۹

۱۱۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص: ۴۰

۱۲۔ خطبہ اول، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ترجمہ The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، ص : ۴۹

۱۳۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص: ۴۰

۱۴۔ خطبہ اول، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ترجمہ The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، ص: ۵۵،۵۴،۵۳

۱۵۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص: ۴۲

۱۶۔ حوالہ بالا، ص : ۴۳

۱۷۔ خطبہ دوم، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ترجمہ The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، ص: ۹۵

۱۸۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص: ۸۰

۱۹۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص: ۸۳

۲۰۔ خطبہ سوم، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ترجمہ The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، ص: ۱۳۰

۲۱۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص : ۹۳

۲۲۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص: ۱۰۱

۲۳۔ خطبہ چہارم، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ترجمہ The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، ص: ۱۸۰

۲۴۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص: ۱۳۳

۲۵۔ خطبہ چہارم، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ترجمہ The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، ص: ۱۸۳

۲۶۔ ڈاکٹر جاوید اقبال، خطبات اقبال تسہیل و تفہیم، سنگ میل پبلشرز لاہور، ص: ۱۳۶

۲۷۔ حوالہ بالا، ص : ۱۳۸